بنگلہ ادب میں قاضی نذر الاسلام کا مقام

اورنگ زیب ملک ☆

آزادی سے قبل بنگلہ ادب کی سب سے نمایاں مسلم شخصیت قاضی نذر الاسلام کے بارے میں اُردو میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ اور زیر نظر مختصر مضمون میں اُن کی زندگی اور ادبی حیثیت کا ایک جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

حیات نذر ل کو واضح طور پر دو حصوں میں بیان کیا جا سکتا ہے زندگی کے ابتدائی ۴۳ سال اُنہوں نے خوابیدہ بنگال کی بیداری کے لیے نذر کیے اور بقیہ زندگی کے ۳۴ سال ان کی خاموش زبان کی نذر ہو گئے۔ وُہ غیر منقسم بنگال کے ضلع بردوان میں آسنسول سب ڈویژن کے ایک چھوٹے سے قصبہ چرولیا میں غریب مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد قاضی فقیر احمد نذر ل کی پیدائش کے سالوں میں افلاس کا شکار تھے اور وُہ بیٹے کو ''دُکھو'' (ناخوش) کے نام سے پکارتے تھے جبکہ ایک روایت کے مطابق اُن کی والدہ زاہدہ خاتون نے ایک سادھو سے اولاد نرینہ کی دُعا مانگی تھی اور پھر اُس کا نام سادھو کے نام پر ''تارا کھیپا'' رکھا 25 مئی 1899ء کو نذر ل کی پیدائش کے آٹھ سال بعد والد کا انتقال ہو گیا۔ تو اُس وقت وُہ مقامی مکتب میں مولوی فضل احمد سے فارسی عربی کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ کچھ ہی عرصہ بعد نذر ل ارد گرد کے قصبوں میں سنگیت کاروں کے چھوٹے طائفوں جنہیں ''لیٹو روَل'' کہا جاتا تھا کے ساتھ مل کر عوامی گیت گاتے اور اس طرح انہیں بنگالی عوام کی زندگی اور موسیقی کی سُر تال سے واقفیت حاصل ہوئی۔ تھوڑے عرصہ بعد انہوں نے دریا رام پور ہائی اسکول میں داخلہ لیا لیکن جلد ہی ایک اور سکول سیر سول ہائی سکول رانی گنج میں اس بنا پر داخل ہوئے کہ اُن کی سکول فیس معاف کر دی گئی تھی۔ یہاں اُنہوں نے دسویں درجہ تک تعلیم حاصل کی۔

لڑکپن کے اس دور میں نذر ل پر آزادی اور وطن پرستی کے جذبات غالب تھے۔ اور وہ فوجی تربیت

☆ لائبریرین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور

کے خواہاں تھے۔ پہلی جنگ عظیم عروج پر تھی اور برطانوی استعمار اپنی بقاء کے لیے ہندوستان سے بھی افواج بھرتی کر کے مختلف محاذوں پر روانہ کر رہا تھا۔ 1917 میں نذرالاسلام نے میٹرک کا امتحان دیے بغیر 49 ویں بنگال رجمنٹ میں شمولیت اختیار کی تو اُنہیں نوشہرہ (صوبہ سرحد) اور پھر کراچی (19-1918) بھیج دیا گیا بعض روایات کے مطابق وہ مختصر عرصہ کے لیے عراق بھی گئے۔ اُن کی شاعری اور ناول افسانوں وغیرہ میں بھی اس کا ثبوت نظر آتا ہے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر بنگال رجمنٹ کو ختم کر دیا گیا۔ اور فوج میں اپنی شمولیت اور نوکری کے خاتمہ کے تین سالوں میں نذرل نے اپنی قابلیت کی بنا پر سپاہی سے حوالدار تک کا سفر طے کیا۔

اپنی فوجی زندگی کے دوران نذرالاسلام نے ایک پنجابی مولوی سے فارسی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی اور رُباعیات خیام و کلام حافظ کے بنگالی زبان میں ترجمے کا کام شروع کیا۔ گویا یہ اُن کی ادبی کاوشوں کا آغاز تھا۔ انہی دنوں نذرل کی ایک کہانی ''باؤ نڈولیرآتم کتھا'' (ایک سیلانی کی روداد) کلکتہ کے رسالہ ''سوگت'' میں شائع ہوئی جبکہ اُن کی پہلی نظم ''مکتی'' ایک اور رسالہ ''بنگیا مسلمان ساہتیہ پتریکا'' کے شمارہ جولائی اگست 1919 میں شائع ہوئی۔ بعدازاں انہی رسائل میں نذرل نے دو افسانے حِنا اور بیتھر دان لکھے کراچی میں فوجی زندگی کے اختتام کے بعد نذرل نے کلکتہ کا رُخ کیا۔ جہاں اُن کی تخلیقی صلاحیتوں کے مداح مظفر احمد۔ افضل الاسلام۔ قاضی عبدالودود اور ابوالکلام شمس الدین جیسی شخصیات موجود تھیں اور یہ فوجی مجاہد اب ایک مسلم بنگالی ادیب کے طور پر سامنے آیا اور اُن کی ابتدائی تحریریں ''مسلم بھارت'' ''سوگات'' ''پرباسی'' اور دیگر رسائل میں شائع ہونے لگیں۔

بنگلہ ادب میں یہ دور رابندر ناتھ ٹیگور کا دور تھا۔ اور اُس پر ہندومت، تقلیدی رویوں اور سنسکرت موضوعات کی چھاپ نمایاں تھی۔ مسلم بنگالی ادیب بھی ٹیگور جیسی دیوقامت ادبی شخصیت کے زیراثر تھے۔ اِن حالات میں قاضی نذرالاسلام کی جذبہ حریت اور حب الوطنی سے بھرپور تحریریں جن میں فارسی اور عربی الفاظ و تراکیب استعمال کی جاتی تھیں بنگال کے ہندو حلقوں میں بھی دلچسپی سے پڑھی جانے لگیں۔ نذرل نے اسلامی موضوعات کو بھی اپنی نظموں کا عنوان بنایا۔ اور چونکہ اُن دنوں تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے باہمی اتحاد نے آزادی کی قومی جدوجہد کو ایک نیا رُخ عطا کیا تھا۔ انقلابی خیالات کے حامل مسلم قوم پرست ادیب کو

زبردست پذیرائی ملی اور اُن کی ادبی تحریریں ادبی ماہناموں ''اُپاسنا'' ''بھارتی'' اور نئے ہفتہ وار جریدہ ''بجلی'' میں بھی شائع ہونے لگیں نثری مضامین سے زیادہ اُن کی شعری تخلیقات کو مقبولیت حاصل ہوئی اور مشہور بنگالی شاعر موہت لال مجمدار نے بنگلہ شاعری میں اُن کی نغمگی کو خراج تحسین پیش کیا نذرالاسلام کے ناول۔ افسانے اور مضامین بھی رفتہ رفتہ شائع ہو کر بنگالی عوام تک پہنچنے لگے۔ 1920 کے وسط میں کلکتہ کے مشہور وکیل اور بنگال کے قومی راہنما اے کے فضل الحق جنہیں بعدازاں قرارداد پاکستان پیش کرنے کا اعزاز حاصل ہوا نے کلکتہ سے شام کا ایک اخبار ''نو یگ'' کا اجراء کیا اور قاضی نذرالاسلام اور مظفر احمد اس کے جوائنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ لیکن چند ماہ کی اشاعت کے بعد یہ اخبار حکومت مخالف تحریروں کے باعث ضمانت ضبط ہونے پر بند ہو گیا تو نذرالاسلام کچھ عرصہ کے لیے ''مسلم بھارت'' سے وابستہ ہو گئے۔

1921ء میں ناگفتہ بہ مالی حالات میں قاضی نذرالاسلام نصابی کُتب کے ایک پبلیشر علی اکبر خان کے ہاتھوں نہ صرف ادبی استحصال کا شکار ہوئے۔ بلکہ اُس نے اپنی بھانجی نرگس بیگم سے اُن کی شادی طے کروادی۔ تاہم نکاح کی شرائط پر قاضی نذرالاسلام شادی کی تقریبات کو ادھورا چھوڑ کر چلے گئے۔ اُن کے لیے یہ سب کچھ ایک سانحہ سے کم نہ تھا۔ اسی دوران اُن کے ایک دوست شاعر اور ادیب ستندر ناتھ کا انتقال ہو گیا اور قاضی نذرل نے اپنی نظم ''سیتہ کوی'' (شاعر حق) میں اُسے زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ 1922ء میں اُنہوں نے ہفتہ وار ''بانگلار کتھا'' کی اڈیٹر بسنتی دیوی کی تحریک پر انہوں نے اپنی جنگجویانہ کیفیت مزاج سے بھرپور ایک گیت ''بھنگار گان'' لکھا جو اُنہیں امر کر گیا۔ یہ گیت نہایت مقبول ہوا تاہم جلد ہی اُن کی ایک اور بہترین شاعری تخلیق ''بدروہی'' (باغی) نے مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ یہ ناقابل فراموش نظم ہفتہ وار ''بجلی'' اور ماہنامہ ''مسلم بھارت'' میں شائع ہوئی اور اپنی کئی فنی خامیوں کے باوجود اُنہیں باغی انقلابی شاعر (بدروہی کوی) کے طور پر متعارف کراگئی اور اس نظم کو بنگال کی ادبی و قومی زندگی میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہوئی۔ تاہم قاضی نذرالاسلام کے ایک دوست شاعر موہت لال موجمدار نے اسے اپنی نثری تخلیق ''آمی'' کا چربہ قرار دیا۔ دونوں بڑے ادیبوں کی باہمی چپقلش میں فتح نذرالاسلام کے حصہ میں آئی۔ اور رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنے غنائی ڈرامے ''وسنت'' کو قاضی نذرالاسلام کے نام معنون کر کے مہر تصدیق ثبت کردی نیز اُنکی شعری تخلیق ''اگنی بینا'' کا سرورق بھی رابندر ناتھ ٹیگور جیسے شاعر و مصور کے

ہاتھوں شائع ہونے سے قاضی نذرالاسلام کا ادبی قد مزید مستند ہو گیا۔

اگست 1922ء میں قاضی نذرالاسلام نے اپنے سہ روزہ جریدہ اخبار ''دھوم کیتو'' (دُمدار ستارہ) کا اجراء کیا تو پہلے شمارہ پر رابندر ناتھ ٹیگور کے ''خیر مقدمی کلمات'' ان الفاظ کے ساتھ شائع ہوئے۔

جاگیے دے رے چمک مرے   آچھے جارا ارتھ چیتنس

(وہ لوگ جو ابھی نیم خوابیدہ ہیں اُن کی آنکھیں روشنی سے خیرہ کر دو اُنہیں بیدار کر دو)

کمیونسٹ انقلاب کے اثرات ہندوستان کی سرحدوں کو پامال کر رہے تھے۔اور قاضی کے دوست مظفر احمد نے انقلابی نذرل کے باغیانہ سیاسی مزاج میں اُن کا ساتھ دیا اور دونوں نہایت جاندار انقلابی تحریروں کے ذریعے حکومت وقت کے خلاف عوامی آواز بن کر ابھرے۔لیکن جلد ہی قاضی نذرالاسلام کو گرفتار کر کے ایک سال قید کی سزا سنائی گئی اور یہ اخبار 1923 میں بند ہو گیا۔رابندر ناتھ ٹیگور قاضی نذرالاسلام کی تحریروں کی اثر انگیزی سے بہت متاثر تھے۔تاہم وہ ان کے خیالات سے پوری طرح متفق نہ تھے وہ نذرالاسلام کی آشفتہ مزاجی کو ''تلوار سے ڈاڑھی بنانے'' کے مترادف قرار دیتے تھے۔قاضی نذرالاسلام اپنی قید کے عرصہ میں ہگلی جیل اور برہام پور جیل میں رہے اور اس دوران اُنہوں نے خصوصی مراعات نہ ملنے اور کڑی تعزیری کاروائیوں پر بھوک ہڑتال کر دی تاہم کلکتہ کے عوام اور رابندر ناتھ ٹیگور کی خصوصی درخواست پر انہوں نے بھوک ہڑتال ختم کر دی تاہم اسیری کے دوران ان کے لکھے گیت اور نظمیں بنگلہ ادب کا حصہ بن گئیں۔رہائی کے بعد نذرالاسلام دو سال تک ہگلی میں اقامت پذیر رہے۔اور اس قیام کے دوران ان کی سرگرمیاں ادبی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی رنگ اختیار کر گئیں۔اور وہ سیاسی و ادبی جلسوں میں شرکت کے لیے ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں گھومتے رہے۔۱۹۲۴ء میں قاضی نذرالاسلام نے کومیلا میں اندر کمار گپتا جن کے ہاں ان کا اکثر آنا جانا رہتا تھا کی بھانجی پرمیلا سے شادی کر لی۔اگر چہ اس شادی پر ہندو اور مسلم حلقوں میں خوب ہنگامہ ہوا تاہم نئے جوڑے نے اس موقع پر بلند حوصلگی کا بہترین ثبوت دیا اور میاں بیوی کا یہ ساتھ پرمیلا کی ۱۹۶۲ میں موت تک قائم رہا۔شادی کے بعد کے اگلے ۵ برس قاضی نذرالاسلام نہایت تنگدستی اور افلاس کا شکار رہے اور کئی دفعہ شدید بیمار ہوئے تاہم ان کی تخلیقی کاوش جاری رہی۔وہ اس دوران اپنے انقلابی خیالات۔دش بندھو چترنجن داس اور گاندھی جی سے اختلاف نظر کے باوجود مدح میں نظموں اور قدرے سوشلزم کی جانب جھکے نظر آ

تے ہیں ۔۱۹۲۵ء میں بالخصوص انڈین نیشنل کانگرس کی سرپرستی میں کام کرنے والی مزدور سوراج پارٹی کی تشکیل میں سرگرم رہے اور اس کے ترجمان جریدہ لانگل (ہل) کے حقیقی مدیر کے طور پر کام کرتے رہے۔ان شماروں میں نذرل کی مشہور نظمیں شروہارا (پرولتاریہ)،کرشی کیرگان(کسان کا گیت)،سبیہ ساچی ، (ماہر تیرانداز ارجن) وغیرہ شائع ہوئیں۔ بعدازاں 1926ء میں لانگل کا نام بدل کر (گن وانی) رکھا گیا اور یہ مارکسیّت کے زیراثر (کسان مزدور پارٹی) کا ترجمان اخبار بن گیا۔جس کا افتتاحی گیت ''سرمکارگان'' (مزدوروں کا گیت) نذرل نے لکھا اسی سال انہوں نے تین قومی گیت ''کنڈرری ہوشیار اور کوچ کا گیت وغیرہ لکھے جو بے حد مقبول ہوئے۔جبکہ نثر میں بھی انہوں نے ہندومسلم اتحاد کے لیے ''ہندومسلم بدھ'''' پاتھیروشا'' اور''مندر ومسجد'' جیسی تخلیقات پیش کیں۔اُن کی گھریلو مفلسی کا رنگ ان کی نظم ''درد ریہ'' میں نمایاں ہے۔اسی سال ان کے بیٹے ''بلبل'' کی ولادت ہوئی۔جو بچپن میں ہی چیچک کے حملہ کا شکار ہوکر چل بسا۔ اپنے ہر دلعزیز بیٹے کی المناک موت کے اثرات قاضی کی بقیہ زندگی پر حاوی رہے۔1928ء میں نذرل کلکتہ منتقل ہوئے تو اس وقت تک ان کے چودہ شعری مجموعے شائع ہو چکے تھے۔جبکہ نثری تخلیقات کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔کلکتہ آکر نذرل کی زندگی میں ایک انقلاب آیا۔وہ یہاں مردوں اور عورتوں کے مختلف حلقوں میں گیتوں کے ایک ایسے خالق کے طور پر سامنے آئے جو اپنی تیار کردہ دھنوں پہ گیتوں کو نہایت امتزاج کے ساتھ پیش کرتا تھا۔اگرچہ ان کی آواز میں کوئی جادو نہ تھا۔تاہم وہ بنگالی سامعین میں ٹیگور کے بعد دوسرا مقام حاصل کر چکے تھے۔انہوں نے گیتوں کے ساتھ ساتھ ادب اور بنگلہ ادب/موسیقی میں غزل کی صنف متعارف کرائی۔اور جلد ہی کلکتہ میں بحیثیت ایک موسیقار اور گلوکار کے مقبول ہوئے۔اور یہی مقبولیت ان کی مفلسی کے خاتمہ کا ذریعہ بنی۔اپنے لکھے گیتوں اور اپنی ہی تیار کردہ دھنوں کے ساتھ نذرالاسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے برطانیہ کی مشہور گراموفون کمپنی ہز ماسٹرز وائس(HIS MASTER'S VOICE) نے اچھے معاوضہ پر ان کے گیت ریکارڈ کیے نیز موسیقی میں مزید تربیت کے لئے انہیں استاد ضیاالدین خان سے استفادہ کا موقعہ ملا اور انہوں نے کلاسیکی موسیقی میں بھی مہارت حاصل کی۔کمپنی کی جانب سے جلد ہی انہیں مستقل ملازمت میں لے لیا گیا۔اور خوشحالی کے اس زمانہ میں انہوں نے ایک نئی کرائسلر کار خریدی اس دوران ان کے دو بیٹے اور پیدا ہوئے۔نیز وہ دوسری گراموفون کمپنیوں ''سینولا'' اور ''میگافون'' کے لئے بھی کام کرتے رہے اور ریڈیو کارپوریشن کے ساتھ ساتھ کلکتہ و بمبئی کی فلمی دنیا کے لئے گیت لکھتے رہے۔ایک ڈرامہ میں

انہوں نے بطور اداکار بھی کام کیا۔

خوشحالی کا یہ دور قاضی نذر الاسلام کے لئے چند گنے چنے سال رہا اور اپنے بڑے بیٹے بلبل کی وفات کا غم انہیں اندر ہی اندر گھائل کرتا رہا رفتہ رفتہ ان پر حاوی ہوتا گیا۔ 1936ء کے بعد وہ موت کی حقیقت کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ موت کے جسمانی اور روحانی اثرات اور اپنے بیٹے بلبل سے کسی طرح رابطہ نیز مسلم صوفیا اور ہندو یوگیوں کی محبت اور مزارات کی زیارت ان کی زندگی کا حصہ بن گئی۔ اس دوران ان کی تخلیقات بھی شائع ہوتی رہیں۔ 1939 میں ان کی بیوی پرمیلا دیوی شدید بیمار ہو کر بستر کی ہو گیئں اور مالی ابتری نے قاضی نذر الاسلام کو ایک بار پھر رُلا دیا۔ 1941 اور 1942 میں انکی چند مزید تخلیقات شائع ہوئیں تاہم انکی ذھنی حالت بگڑتی چلی گئی ایک شام وہ گھر سے غائب پائے گئے اور چھاؤنی کے علاقہ میں فوجی ٹرکوں کی شاھراہ پر درمیان میں چلتے ہوئے پائے گئے

۹ جولائی ۱۹۴۲ء کو کلکتہ ریڈیو سٹیشن پر اپنی ایک تقریر کی ریکارڈنگ کے دوران قاضی نذر السلام یکدم اپنی قوت گویائی سے محروم ھو گئے۔ انھیں فوری طور پر گھر لے جایا گیا اور ڈاکٹروں کی پوری کوشش کے باوجود وہ بولنے کے قابل نہ ہو سکے ایک جانب وہ دماغی و جسمانی لحاظ سے مفلوج ہو گئے تو دوسری طرف انکی بیوی پرمیلا بھی بستر پر پڑی رہتی تھی نذرل کی بوڑھی ساس جو انکے ساتھ ہی رہتی تھیں ان مریضوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ رہیں اور وہ بھی گھر سے غائب ہو گئیں جس کے بعد انکا پتہ نہ چل سکا۔ پرمیلا ۱۹۳۹ء سے ۱۹۶۲ء میں اپنی موت تک بستر پر حکومت مغربی بنگال کے دوسو روپے ماہانہ وظیفہ کے ساتھ گھر چلاتی رہی۔

برصغیر کی آزادی کے بعد نذرل کلکتہ میں ہی مقیم رہے اور ۱۹۵۲ء میں نذرل کے علاج کیلیئے قائم کردہ کمیٹی کی کوششوں سے دونوں میاں بیوی کو لندن اور وی آنا لے جایا گیا۔ لیکن کوئی علاج کارگر ثابت نہ ہوا تقسیم ہند کے بعد حکومت مشرقی پاکستان نے نذرل کی خدمات کو سراہتے ہوئے ۳۵۰ روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا ایوب خان کے دور حکومت میں نذرل کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کیلیئے ڈھاکہ میں ایک لاکھ روپے سے ایک مجسمہ تعمیر کرنے کا منصوبہ سامنے آیا تو عوام میں یہ لطیفہ سامنے آیا کہ نذرل نے کہا ہے کہ مجھے ایک لاکھ روپیہ دے دیا جائے تو میں مجسمہ بن کر خود کھڑا رہوں گا۔ بہرحال اس دوران محکمہ ڈاک حکومت پاکستان نے

قاضی نذرالسلام کی سالگرہ کے موقعہ پر دو یادگاری ٹکٹ جاری کیے جبکہ صدر بھارت نے انہیں پدم بھوشن کا اعزاز عطا کیا۔

۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ اور بنگلہ دیش کے قیام کے دوران حکومت ہند نے نذرل کی قوت گویائی ختم ہونے سے متعلق دو غیر متعلق جملوں کی تشہیر کی کہ "میں ڈھاکہ جاؤں گا ہور" میں گاندھی جی سے ملوں گا" تاہم اس کی تصدیق کسی بھی ذریعے سے نہ ہوئی اور بعد ازاں بنگلہ دیش حکومت کی دعوت پر انہیں ڈھاکہ لایا گیا۔ جہاں پر وہ ۱۹۷۶ء میں انتقال کر گئے۔ اور ڈھاکہ میں دفن ہوئے۔

نذرالاسلام کی شاعری

تحریک آزادئ ہند (۱۸۵۷) اور تقسیم ہند (۱۹۴۷) کے درمیانی عرصہ میں جہاں بنگال اپنی سیاسی و جغرافیائی تفریق (مشرقی و مغربی بنگال) اور مذہبی تقسیم (مسلم بنگال۔ ہندو بنگال) کے مراحل سے گزر رہا تھا وہیں بنگلہ ادب بھی دو ہمہ جہت شخصیات کے سحر کا شکار نظر آتا ہے اور یہ دو شخصیات رابندر ناتھ ٹیگور اور قاضی نذرالاسلام ہیں رابندر ناتھ ٹیگور نے جہاں بنگلہ زبان و ادب میں تقلیدی رویوں کے ساتھ اپنی تخلیقات کو ہندووانہ نظریات کے زیر سایہ مقبول عام کیا اور نوبل انعام برائے ادب حاصل کرنے والے پہلے ہندوستانی کا مقام حاصل کیا وہیں قاضی نذرالاسلام نے مسلم بنگلہ ادب کو عربی, فارسی, اردو کے امتزاج سے احیائے اسلام ,جذبہ حریت اور حب الوطنی کے لیے استعمال کیا اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی وہ بنگلہ ادب اور بالخصوص شاعری میں نئی جہتوں۔ نئی اصناف۔ جدید موضوعات اور اسالیب کے ساتھ تقلید کے بت کو توڑتے ہوئے آگے بڑھے اور عوامی و باغی شاعر کے رتبہ پر فائز ہوئے

شعری تخلیقات۔ایک تجزیہ

نذرل کی شاعری کے انمٹ نقوش کی فہرست خاصی طویل ہے ان کی نظموں, غزلوں, گیتوں کے مجموعوں میں بلبل "ابیر ہوا (باد مشرق), اگنی بینا (بربط آتش), ذوالفقار, بشیر باشی (زہریلی بانسری) چوکھیر چاتک (محبوب کی ایک جھلک کا منتظر محبت زدہ پرندہ), دولن چانپہ, چھایہ نٹ, سنچیتا, پرالے شکھا, سندھا, سنچے

آن، چت نامہ، سرمحل، نوتن چاند، نذرل گیتیکا، بن گیتی، بھنگار گارن، گانیر مالا، چندر وبندو، سر ساقی، گل بغیچہ، گیتی ستہ دل، مرد بھاسکر، چکر بک، شیش سوگات، جھنگے پھول اور سات بھائی چمپاوغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ کلام حافظ اور رباعیات خیام کے منظوم تراجم ان کے علاوہ ہیں۔

نذرل کی شاعری میں ہمیں بنگلہ زبان کے مسلم شعرا کی تقلیدی طرز اور عظمت رفتہ کی نوحہ زاری نظر نہیں آتی بلکہ امید اور نئی صبح کے طلوع ہونے کی تعبیر دکھائی دیتی ہے۔ وہ اس بیداری کی بات کرتے ہیں جو کہ ترکی افغانستان اور مصر میں رونما ہو چکی تھی۔ وہ اسلام کی شمع روشن کرنے کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی بیدار ہونے پر اکساتا ہے۔ اور انہیں زمانہ رفتہ کے زعمائے ملت کی عظمت سے راہنمائی لیتے ہوئے نئی انقلابی راہ دکھاتا ہے۔

دیکھو! عیدگاہ شہادت میں آج جم غفیر ہے!
توران، ایران، حجاز، مصر، ہند، مراکش اور عراق
شانہ بشانہ صف بہ صف کھڑے ہو گئے ہیں
جو کل تک تھا افسردہ اور مضمحل پڑے تھے
وہ بھی فردوس کے آرزومند ہو گئے اور نیا جوش لے کر بیدار ہو گئے ہیں
تو بھی اس جماعت میں شامل ہو جا، دنیاداری بھول جا!
جو زنداں میں تھے وہ آج نئی امنگیں لے کر
شمشیر بدست میدان میں کود پڑے ہیں
تقدیر بدل گئی ہے۔ آج نعرہ تکبیر بلند ہونے لگا ہے (ذوالفقار)

قاضی نذرالاسلام اسلامی نشاۃ ثانیہ پر کامل یقین رکھتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو ان کا ماضی دکھا کر حال کی جانب متوجہ کرتے ہیں:

ابوبکرؓ صدیق کی صداقت
اور عمرؓ فاروق کی قربانی آج نظر نہیں آتی
بلالؓ کا ایمان بھی نہیں رہا
علیؓ کی ذوالفقار بھی آنکھوں سے اوجھل ہے
جہاد کے لئے آج جان فروش شہداء بھی نہیں رہے
بازو میں قوت بھی نہیں رہی
خالدؓ، موسیٰؒ اور طارقؒ کہاں؟
بادشاہت اور تخت طاؤس کہاں
جو دنیا کا مالک تھا آج اس کے ہاتھ میں کشکول ہے
اسلام صرف کتاب میں باقی رہ گیا ہے
اور مسلمان گور میں ہیں!

(ذوالفقار)

اللہ تعالیٰ کی حسین تخلیق ''انسان'' سے محبت کو بھی قاضی نذرالاسلام نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے:-

ہم مساوات کے گیت گاتے ہیں
جہاں پہنچ کر تمام بندشیں اور رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں
جہاں بُدھ، مسلمان اور عیسائی ایک ہو جاتے ہیں
تجھ میں ہر زمانے کا علم موجود ہے
اے دوست اپنا دل کھول کر دیکھ لے
اس میں سارے مذہبی صحیفے نظر آئیں گے
اسی دل دھیان کے گار میں گوتم نے مظلوم انسانیت کی کارسی
اور اس کی نجات کے لیے اپنی حکومت ٹھکرادی

اسی دل کے غار میں رسول عربی ﷺ پیغام الٰہی سُنتے تھے۔
یہیں بیٹھ کر اُنہوں نے قُرانی مساوات کے گیت گائے
بھائی ہم نے غلط نہیں سُنا۔۔۔۔۔
ان کا فرمان ہے
اس دل سے بڑھ کر کوئی مندر یا کعبہ نہیں

(شمو بادی-سرب ہاڑ)

جذبہ حریت سے بھرپور اپنی تخلیق ''شط العرب'' میں شاعر الفاظ کا خوبصورت انتخاب کرتا ہے اور عراق میں مقیم ایک بنگالی فوجی کو اپنے محکوم وطن کی یاد اور غلامی تڑپاتی ہے۔ اور اسی شاعرانہ تجلی پر قوم پرست راہنما سبھاش چندر بوس نے ایک دفعہ کہا تھا۔

''انہیں (نذ الاسلام کے قومی گیتوں) کو گاتی ہوئی اور مارچ کرتی ہوئی ہماری قومی افواج محاذ پر جا پہنچیں گی''۔ نذرل کی شاعری میں اُن کی نظم ''بدروہی'' (باغی) کو ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اور اس نظم کی بدولت شاعر کو (باغی شاعر) کا خطاب ملا یہ ناقابل فراموش نظم، بولو بیر۔۔۔بولو اپنتہ شیر-

(بولو۔۔او بہادر بولو۔۔میرا سر اونچا ہے) سے ہو کر آگے بڑھتی ہے۔ جذبہ حب الوطنی اور آزادی سے سرشار نذر الاسلام اپنی ایک اور نظم بھنگار گان (بربادی کا گیت) میں شدت پسندی کی انتہا پر نظر آتا ہے۔

کارار اوئی لوہو کپاٹ
بھینگے پھل کرے لپٹ
رکت حمت
شکل پوجار پاشان بیدی

(اس جیل کے آہنی دروازوں کو توڑ دو خون میں نہائے ہوئے پتھروں کے اس چبوترے کو

تہس نہس کردو جو بیڑیوں کی دیوی کی پوجا کے لیے بنایا گیا ہے۔)

اپنے ایک مشہور قومی گیت "شکل پرارگان" کے ابتدائی مصرعے ہمیں شاعر کے ذہنی عروج کی نئی داستان سُناتے ہیں۔

اے سکل پارا چھل آماد پرشکل پارا چھل

(یہ بیڑیاں جو ہم نے پہنی ہیں وُہ ایک حیلہ اور دکھاوا ہیں انہیں پہن کر ہم ظالموں کو مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں)

اسلامی تاریخ وشخصیات کا نذرل کی شاعری میں ایک خاص مقام ہے اپنی کئی نظموں اور گیتوں میں وُہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے مابین محبت کا تذکرہ کرتے ہیں ۔وُہ حضور اکرم ﷺ کی محبت سے سرشار ہیں ۔چاروں خلفائے راشدین حضرت امام حسن وحسین ، خالد بن ولید، طارق بن زیاد وغیرہ کا ذکر اُن کی شاعری میں ملتا ہے۔ جدید مسلم دور کے زعما میں سے نذرل نے اتاترک کمال پاشا سید جمال الدین افغانی۔ انور پاشا زغلول پاشا وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

ابوبکرؓ،عثمانؓ،عمرؓ،علی حیدرؓ
اس کشتی کے چپو چلانے والے ہیں لہذا خوف واندیشہ کیسا
اس کشتی کا ناخدا تجربہ کار ہے
یہ چپوُ چلانے والے ہمنوا ہو کر لاشریک لہ کے گیت گاتے جاتے ہیں
اس کشتی کے مستول پر " شفاعت " کا بادبان بندھا ہوا ہے
اس پر حوران بہشتی گلہائے محبت کا پرتو ہے
یہ ہستیاں خیر و برکت کا مجسمہ ہیں
پار اترنے والے مسافرو
تم ہمنوا ہو کر "لاشریک لہٗ" کے گیت گاتے جاؤ

(اگنی بینا)

نذرل کی شاعری میں قومی گیتوں کے علاوہ پریم گیتی (عشقیہ گیت) روحانی یا صوفیانہ کلام۔فطرت

سے متعلق نظمیں، مزاحیہ و طنزیہ گیت اور سیاسی و سماجی موضوعات پر لکھے گئے گیت بھی شامل ہیں۔ ان گیتوں کی ایک فہرست اظہر الدین خان نے تیار کی جس میں سولہ سترہ سو گیت شامل ہیں۔

نذرالاسلام کی شاعری کا پہلا مجموعہ "بلبل" اُن کے فرزند ناصر کے نام پر ہے اور بلبل کی المناک موت کا اثر نذرالاسلام کی زندگی پر حاوی نظر آتا ہے۔ اس طرح "بدروہی" (باغی) جیسی نظم کی تخلیق کے بعد شاعری کی اکثر نظموں میں سامراجی قوتوں کے خلاف جدوجہد کی شدت ملتی ہے جس کی بنا پر ان نظموں کی اشاعت پر پابندی لگائی جاتی رہی اور شاعر کو قید کر دیا گیا۔

نذرل کی رومانی شاعری

نذرل نے روایتی رومانی شاعری سے بغاوت کی ہے اس کی شاعری میں جذبات اور عشق کی انتہاء ناپید ہے وہ صداقت حسن کا قائل ہے اور ان کی رومانی شاعری موسیقیت کا سحر آفرین گداز پیدا کرتی ہے یہ شاعری مہذب اور پاکیزہ ہے واردات قلبی کے نہایت خوبصورت آہنگ کو اشعار کی نذر کرتے ہوئے نذرالاسلام جنسی لذت کا شکار نظر نہیں آتے۔ وہ ہلکی آنچ پر عشق کو نغمگی عطاء کرتے ہیں ان کی زندگی میں دو خوبصورت جوان لڑکیوں نرگس بیگم اور پرمیلا دیوی کا نہایت اہم کردار ہے نرگس بیگم سے اگرچہ شادی نہ ہوسکی تاہم ان سے متعلق اشعار میں ان کی دل گرفتگی اور ناکامی عیاں ہے۔ کلکتہ کی حسین شاموں میں بھی نذرل گاؤں کی دیہاتی زندگی کے اثر سے اپنے آپ کو آزاد نہیں پاتا اور اپنی محبت بھری نظموں اور گیتوں میں بھی وہ حسن صورت اور حسن فطرت کو ساتھ ساتھ لے کر چلتا ہے۔ بنگلہ شاعری میں نسوانی غنائیت ہے جس سے نذرالاسلام نے اسے آزاد کرایا اپنے ایک رومانی گیت میں نذرالاسلام نہایت خوبصورت الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں:

محبت ایک ہے چاہنے والے بے شمار ہیں
محبت کی اس شراب کو مختلف ظروف میں پیوں گا

اے بے نام محبوبہ، تمہیں بڑی چاہت سے نوش جاں کروں گا
کبھی صراحی میں، کبھی شیشے میں اور کبھی پیالے میں"

(سندھو ہندول)

فارسی وعربی ذخیرہ الفاظ کا بنگلہ میں استعمال

فارسی اور عربی زبان اور برصغیر کی مقبول ہوتی ہوئی زبان اردو کے الفاظ کو بنگلہ زبان اور بالخصوص بنگلہ شاعری میں متعارف کرانے کا سہرا قاضی نذرالاسلام کے سر ہے، ان زبانوں کے اسلامی رنگ اور تراکیب کو اپنی اصل شکل وصورت میں بنگلہ اشعار میں اس قدر خوبصورتی کے ساتھ نذرالاسلام نے استعمال کیا کہ وہ اجنبی نہیں لگتے۔ ٹیگور اور اس کے ہمعصر شعراء کی تحریروں میں سنسکرت اور ہندی کا غلبہ نظر آتا ہے نیز ہندوانہ رسوم ورواج کی واضح جھلک نظر آتی ہے قاضی نذرالاسلام نے فارسی وعربی کی تراکیب اور الفاظ استعمال کر کے ادب پرست حلقوں کی خصوصی توجہ حاصل کی یہ الفاظ اور تراکیب مسلمانوں کے لئے اجنبی نہ تھیں کیونکہ انگریزوں کی آمد سے قبل ہندوستان پر مسلم دور حکومت میں عمومی اور پوتھی نویسوں کے ہاں خصوصی طور پر ان کا استعمال جاری تھا۔ قاضی نذرالاسلام کی یہ کوشش احیائے اسلام کی جانب راہنمائی کرتی تھی۔ انہوں نے عمر خیام کی رباعیات اور دیوان حافظ کے کچھ حصوں کا بنگالی زبان میں منظوم ترجمہ کر کے بنگلہ عربی فارسی رشتہ کو مستحکم کیا۔ ان کی بعض نظموں کے عنوانات مثلاً شط العرب۔

ذوالفقار۔ قربانی۔ محرم۔ فاتحہ دوازدہم۔ گل باغیچہ اور کئی الفاظ (نرگس، باغ، داغ، فریاد، جام، ساقی، شراب، شرابا طہورا) بھی استعمال کیے ہیں نذرالاسلام کے ایک گیت کا عنوان ''یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور'' ہے۔ وہ عربی فارسی ترکیبات اور مذہبی اصطلاحات مثلاً سید مکی مدنی، شیریں شہد، کلمہ شہادت، آب حیات، اللہ اکبر، لاالہ الا اللہ ، لاشریک لہ، انا للہ وانا الیہ راجعون، اناالحق وغیرہ بھی اپنی شاعری میں استعمال کرتے ہیں۔

نذرل کی اُردو شاعری

نذرل کی اردو زبان میں بھی چند گیت اور نظمیں لکھیں ان کی ایک حمدیہ نظم کچھ اسطرح ہے

اے ستار اے غفار کردے بیڑا پار
دریا پہاڑ جنگل کرتے ہیں روز منگل
زمین و آسمان کے ذرے ذرے کا عقیدہ ہے
تو ہے پالن ہار ۔ تو ہے کھیون ہار
تو ہے کرتار ۔ اے ستار

نذرل کے افسانے ناول ڈرامے اور دیگر نثری تحریریں

قاضی نذرالاسلام نے تین ناول تحریر کیے جو کہ بندھن ہارا (بندھنوں سے آزاد) مرتیو سدھا (موت کی بھوک) اور کوہلیکا ہیں یہ ناول بالترتیب ۱۹۲۷ء ، ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئے

بندھن ہارا پہلے "مسلم بھارت" جریدہ میں قسطوں میں شائع ہوا اور یہ خطوط کے انداز میں لکھا گیا ہے۔اس کے کرداروں میں نورالہدیٰ، منور، رابعہ، مس ساہسیکا کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ یہ نذرل کی اپنی کہانی لگتی ہے اور یہ قیام بغداد کے موقع پر مصنف کی ذہنی کیفیت کا واضح اظہار ہے۔دوسرا ناول مرتیو سدھا بھی اپنے کرداروں، انصار، لطیفہ بیگم اور روبی وغیرہ کے ذریعے ہندوستانی سماج کی باریک بینی کے ساتھ تصویر کشی کرتا ہے۔تیسرا ناول کوہلیکا انگریز سامراج کے خلاف مسلمانوں کی کوششوں کے اسلامی، انقلابی اور حب الوطنی رنگ کو نمایاں کرتا ہے۔ناول میں جہانگیر، ہارون، تہمینہ، فرخ، فردوس بیگم جیسے کرداروں کے ذریعے نذرالاسلام نے مسلم بنگال کا ایک حقیقی منظر نامہ پیش کیا ہے

نذرالاسلام کے تین افسانوی مجموعے بیاتھیر دان (1921ء) رکتیر بیدان (1925ء) اور سیولی مالا (1931ء) کسی طرح بھی اس کے ناولوں کے ہم پلہ قرار نہیں دیے جاسکتے۔جذبات سے بھرپور یہ افسانے اپنے ہیرو کو شکست خوردہ شکل میں سامنے لاتے ہیں۔اور کہیں کہیں بے مقصدیت کا عنصر غالب ہے۔اگر ہم

ان کے ناولوں اور افسانوں کا تقابلی جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ ناول نویسی اور افسانہ نگاری میں نذرل کو وہ شہرت نہ ملی جو اسے بحیثیت شاعر، موسیقار اور گلوکار حاصل ہوئی۔ اس کے افسانوں اور ناولوں کے کرداروں کے اسلامی نام اور جذبہ حُریت سے نذرل کی زندگی کی اسلامی جھلک واضح طور پر سامنے آتی ہے۔

نذرالاسلام نے اپنے ڈراموں آلیا (1925ء) مدھو مالا (1929ء) اور جھل ملی (1930ء) مکت دھارا، اور کیتی بیبہ کے ذریعے ڈراما نگاری میں بھی تخلیقی صلاحیتوں کا رنگ جمایا اس کے علاوہ ایک ڈرامہ میں سٹیج اداکار کے طور پر بھی کام کیا اور ایک فلم میں بھی قسمت آزمائی کی۔ نذرل کے مجموعہ ہائے مضامین ''یگ وانی'' درینیے جاتری (کالے دنوں کا مسافر) رُدرمنگل (خدائے تباہی کے حضور میں) وغیرہ شامل ہیں۔

کیا نذرل کمیونسٹ تھے؟

غلام ہندوستان کے عوام انقلاب روس (1917ء) کے اثرات محسوس کر رہے تھے۔ اور اس انقلاب سے نوجوان نذرالاسلام بھی متاثر ہوا تاہم وہ کبھی بھی کیمونزم مارکیست یا لنین ازم کا شکار نہیں ہوئے۔ اگرچہ وہ کسی حد تک سوشلسٹوں کے ہم خیال تھے۔ اُنہوں نے شروہار (پرولتاریہ) جیسی نظمیں لکھیں "کیمونسٹ انٹرنیشنل" کا بنگالی ترجمہ کیا۔ چینی رہنما چیانگ کائی شیک کی ہندوستان آمد (1942) پر استقبالیہ نظم لکھی۔ کسان مزدور پارٹی کی سرگرمیوں میں شریک رہے۔ مزدور سوراج پارٹی کے ترجمان "لانگل" کی ادارت میں شامل رہے۔ اور کیمونسٹ دوستوں سے اُن کا تعلق قائم رہا۔ لیکن وہ کبھی بھی ایک پکے کیمونسٹ کے طور پر سامنے نہیں آئے بلکہ اُنہیں ایک عوامی شاعر، باغی شاعر، انقلاب پرست، جمہوری قوم پرست اور احیائے اسلام کے داعی کے طور پر جانا جاتا ہے۔

نذرالاسلام بطور موسیقار و گلوکار

نذرل نے اگرچہ لڑکپن میں عوامی موسیقی کی ٹولیوں میں شریک ہو کر "سُر" کا ابتدائی رنگ سیکھ لیا تھا۔ اور اُنہیں بانسری اور دیگر آلات موسیقی بجانا آتے تھے۔ تاہم وہ زندگی کی تیسری دہائی میں موسیقی اور گلوکاری سے دور رہے۔ اس دوران اُن کی موسیقی سے وابستگی کا صرف ایک پہلو قابل ذکر ہے۔ اس عرصہ

میں اُنہوں نے بنگلہ موسیقی کو ایک نئی صنف " غزل " سے متعارف کرایا۔ بنگلہ زبان میں غزل اپنے لطیف جذبات اور نذرالاسلام کے خوبصورت الفاظ کے آہنگ اور امتزاج سے جلد ہی مقبول ہو گئی۔ 1930-40 کے عرصہ میں نذالاسلام کی گراموفون کمپنیوں سے وابستگی گیت لکھنے اور موسیقی ترتیب دینے کے بہترین معاوضے، اُستاد ضیاالدین خان کی شاگردی اور کلکتہ کی محافل، دعوتوں اور انجمن آرائیوں نے رنگ دکھایا اور وہ ایک مقبول موسیقار بن گئے۔ اگرچہ نذرالاسلام کے تمام گیتوں کی تعداد ساڑھے تین ہزار کے لگ بھگ ہے جن میں قومی، سیاسی، سماجی، روحانی یا صوفیانہ طنزیہ و مزاجیہ اور عشقیہ غزلیں بھی شامل تھیں۔ تاہم اس کے بعد اُن کے عوامی گیت زیادہ کامیاب رہے اور خاص طور پر ''کوچ گیت'' جنہیں آج کل کورس کیا جاتا ہے۔ اُنہیں بنگالی عوام کا گرویدہ شاعر بنا گئے۔ وہ لوگ دھن اور کلاسیکی راگ کا امتزاج پیش کرتے اس دوران نہوں نے بنگالی موسیقی کو 'ہر جھارانی'' سندھیا مالتی''بن کنٹل'' دولن چمپا، جیسی نئی دھنوں سے مالا مال کیا۔